دوسرے سے علیحدہ نہ ہوئے۔ وہ میرا باڈی گارڈ بن گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ لوگ پھر کسی دوسرے بدمعاش سے یہ کام لینا چاہیں گے اس لئے آپ کی حفاظت ضروری ہے۔ میں نے پارٹی ہیڈ کوارٹر کو جب شکور کی رپورٹ بھیجی تو ان کی ہدایت تھی کہ اسے اپنے ساتھ رکھو اور تھوڑا بہت پڑھاؤ۔ چنانچہ سڑک پر چلتے پھرتے اس کا مدرسہ اپنا کام کرنے لگا۔ اسے ہندی سکھانے کی ذمہ داری ایک اور کامریڈ نے لے لی۔ میں اسے بقیہ تعلیم دیتا تھا جس میں خاص طور پر مارکسزم کے بنیادی اصولوں کی بات ہوتی تھی۔ وہ مارکس سے زیادہ لینن سے متاثر ہوا۔ جب اسے ہندی پڑھنا آ گیا تو وہ لینن کی جیونی ہمہ وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا ——— میرے خلاف ۴۲ء ۱۹ کی غداری کا الزام تو تھا ہی، اب یہ ایک الزام اور ہو گیا کہ میں غنڈوں کا سرپرست بھی ہوں۔ دیواروں پر پوسٹر لگے۔ اخباروں میں لیڈروں کے بیانات بھی آئے۔ اسی زمانے میں میری ملاقات شریف عنایت اللہ سے ہوئی۔ ان کے والد ریلوے میں افسر تھے۔ یہ بعد میں ادب میں انور عنایت اللہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آج کل کراچی میں ہیں۔ انور عنایت اللہ کی رفاقت نے بڑے رنگ بھرے۔ اب تک میں ادب سے کوسوں دور تھا۔ ایسا کوئی آدمی نہ تھا جس سے ادب کے موضوع پر گفتگو ہو سکے۔ انور عنایت اللہ کیا آئے میرے بھاگ کھل گئے ——— عظیم الکریم عباسی گوندیا میں تھے ہی ——— میونسپل ہائی اسکول میں ماسٹر تھے۔ بڑے زندہ دل تھے۔ وہ وہاں اردو کو زندہ رکھے ہوئے تھے۔ خود بہت اچھے مزاحیہ شاعر تھے۔ مشاعرے کرتے، شعرا کو بلواتے ——— چند روز کے لئے جنگل میں منگل ہو جاتا۔ انور عنایت اللہ کے آنے سے گویا توسن طبع کو ایک اور تازیانہ ملا۔ میں ٹریڈ یونین تحریک میں اتنا مصروف تھا کہ بہت کم وقت نکال پاتا تھا۔ انور عنایت اللہ کٹر مسلم لیگی تھے۔ لیکن اس سے ہمارے تعلقات میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے اور ایک دوسرے کے تجربوں سے لطف اندوز بھی ہوتے اور فیض یاب بھی۔ شریف اسم بامسمیٰ تھے۔ ایسے لوگ خال خال دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان کے بارے میں پھر کسی وقت لکھوں گا۔

ہاں تو یہی وہ زمانہ تھا جب میری مخالفت نے شدت اختیار کر لی تھی۔ ترُن بھارت مرہٹی روزنامہ تھا جو ناگپور سے نکلتا تھا اس سے میری بڑی مخالفت تھی۔ آر۔ ایس۔ ایس والوں